

ادھار چیز زیادہ قیمت پر بیچنے کی شرعی حیثیت

(۲)

الحق یہ ہے اس مقالہ کی اشاعت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ادارہ کے بھیجے ہوئے ہوتے ہیں البتہ ریسرچ و تحقیق علمی اور فقہی حلقوں میں سے سے بحث و تحقیق استدلالی اور اسے موضوع پر جامع اور عظیم تر مواد، آخذ، دلائل اور استنباطات کی جدید تحقیقات بہترین علمی کاوشوں کے صورت میں سامنے آجائیں گے ملک بھر کے جدید علماء کرام، مفتیان، عظام اور مذہبی سکالروں نے اس مضمون کا نوٹس لیا ہے اس سلسلہ کے جوابی اور تحقیقی مضامین کا آئندہ شمارے سے سلسلہ اشاعت شروع کیا جائے گا۔ پیش نظر مضمون کے دوسرے قسط بھیجے اس لیے شائع کر دی ہے تاکہ موضوع سے دلچسپی لینے والے حضرات کے سامنے مولانا محمد طاسین صاحب اور اسے مسئلہ میں ان کے مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے حضرات کا موقف اپنے تمام تراستدلالی اور توضیحات کے ساتھ سامنے آسکے۔ ادارہ

قرآن مجید کی جس دوسری آیت سے معاملہ زیر بحث کی شرعی حیثیت پر روشنی پڑتی اور اس کا عدم جواز ثابت

ہوتا ہے وہ سورۃ النساء کی یہ آیت ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ
بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونُوا مَعَ سَرَّةٍ
عَنِ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ (الآیہ ۲۹)

اے وہ لوگو جو ایمان لاتے ہو تم آپس میں ایک دوسرے کے اموال ناحق طریقہ سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ وہ ایسی تجارت کا طریقہ ہو جس میں فریقین کی حقیقی رضا مندی پائی جاتی ہو۔

اس آیت کریمہ کے دو حصے ہیں پہلے حصہ میں باطل طریقہ سے ایک دوسرے کا مال کھانے لینے کی ممانعت ہے اور آیت دوم استثناء کے بعد دوسرے حصہ میں ایسی تجارت کے طریقہ سے ایک دوسرے کا مال لینے کی اجازت ہے جس میں ہر فریق کی حقیقی اور دلی رضا مندی پائی جاتی ہو، پہلے حصہ میں جو لفظ باطل ہے حق کی ضد ہے اسی وجہ سے اس کا ترجمہ ناحق کیا جاتا ہے، بعض مفسرین کرام نے باطل کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت حسن بصریؒ

کا یہ قول پیش کیا ہے۔

الباطل هو كل ما يؤخذ من الانسان هرده مال لينا باطل ہے جو کسی انسان سے بغیر عوض
بغیر عوض۔ (تفسیر الکبیر ج ۱۰ ص ۱۰) لیا جاتے۔

تفسیر المنار میں علامہ رشید رضا نے باطل کی تفسیر میں لکھا ہے:

اما الباطل ما لم يكن في مقابلة
شيء حقيقي۔ باطل وہ ہے جو کسی حقیقی شے کے مقابل میں نہ ہو یعنی
اس کے بالمقابل کوئی حقیقی چیز نہ ہو۔

لہذا آیت مذکور کے پہلے حصہ کا مطلب ہوا مسلمانو! تم آپس میں ایک دوسرے کا مال بغیر عوض کے نہ لو،
یعنی معاوضے کے معاملات میں ایک دوسرے کا مال بغیر ایسے عوض کے نہ لو جو مالیت اور قدر و قیمت میں اس کے
برابر ہو کیونکہ کسی مال کا صحیح عوض اور بدل صرف وہ ہوتا ہے جو قدر و قیمت میں اس مال کے برابر ہو بنا بریں آیت
کے پہلے حصہ کی رو سے ہر وہ معاشی معاملہ باطل اور ممنوع قرار پاتا ہے جس میں ایک فریق کے لیے اس کے مال کا
سرخے سے عوض موجود ہی نہ ہو یا عوض تو موجود ہو لیکن قدر و قیمت کے لحاظ سے اس مال کے مساوی نہ ہو۔

آیت کے دوسرے حصہ میں معاوضے کے صرف اس معاملہ کو باطل سے مستثنیٰ اور جائز بتلایا گیا ہے جس میں ہر
فریق کے لیے اس کی چیز کا بدل موجود ہوتا لہذا فریقین کی حقیقی رضا مندی پائی جاتی ہے چونکہ تجارت یعنی بیع و شراء کا
معاملہ ایسا ہی ہے اس میں بائع کو اپنی چیز کا عوض ملے اور قیمت کی شکل میں اور مشتری کو اپنی چیز کا عوض خریدی ہوئی شے
یعنی بیع کی شکل میں ملتا ہے، البتہ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ بائع، مشتری کی کسی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے
اپنی چیز اس سے زائد قیمت پر بیچ دیتا ہے جو قیمت بازار میں عام طور پر اس چیز کی ہوتی ہے یا مشتری، بائع کی
کسی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کی چیز اس قیمت سے کم قیمت پر خرید لیتا ہے جو بازار میں عام طور پر ہوتی ہے
لہذا بیع و شراء کی ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ ایک فریق کی حقیقی رضا مندی موجود نہیں ہوتی اس وجہ سے کہ اس کے لیے
اس کی چیز کا پورا اور صحیح عوض و بدل موجود نہیں ہوتا لہذا بیع و شراء کا ایسا معاملہ ایک فریق کی حقیقی رضا مندی موجود نہ ہونے
کی وجہ سے ناجائز و ممنوع قرار پاتا ہے جہاں تک ظاہری اور زبانی رضا مندی کا تعلق ہے وہ تو معاملہ ربو میں بھی موجود
ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود ربو کا معاملہ حرام و ممنوع رہتا ہے بلکہ حقیقت میں رضا مندی کا خارجی اور معروضی سیار
ہر فریق کے لیے اس کی چیز کا صحیح عوض و بدل موجود ہونا ہے وہ موجود ہو تو اس کا مطلب رضا مندی کا موجود ہونا ہے
اور موجود نہ ہو تو اس کا مطلب رضا مندی کا موجود نہ ہونا ہے، آیت مذکور کی تفسیر میں جو عرض کیا گیا ہے اس کی
روشنی میں معاملہ زیر بحث کو جب غور سے دیکھا جاتا ہے تو یہ معاملہ، باطل کا بھی مصداق نظر آتا ہے کیونکہ اس میں بیچنے
والا ادھار کی وجہ سے اپنی سو روپے کی چیز جو ڈیڑھ سو میں بیچتا ہے تو اس میں خریدار سے جب کہ پاس روپے زائد لیتا ہے

ان کا کوئی عوض اس کی طرف سے خریدار کے لیے موجود نہیں ہوتا لہذا وہ بغیر عوض کے دوسرے کا مال لیتا ہے جس کو آیت کے اندر باطل سے تعبیر کر کے ممنوع ٹھہرا گیا ہے، نیز یہ بیع و شرائع کا ایسا معاملہ دکھائی دیتا ہے جس میں ایک فریق کے لیے اس کی چیز کا عوض موجود نہ ہونے کی وجہ سے اس کی رضا مندی ہی موجود نہیں ہوتی۔ ظاہر ہے کہ اس میں خریدار کے لیے مذکور بالا مثال کے مطابق پچاس روپے کا عوض موجود نہیں ہوتا جو قرض کی وجہ سے بیچنے والا خریدار سے لیتا ہے لہذا اس کی حقیقی رضا مندی بھی موجود نہیں ہوتی لہذا اس پہلو سے بھی یہ معاملہ ناجائز اور ممنوع قرار پاتا ہے۔

زیر بحث معاملہ کی شرعی حیثیت سے متعلق جہاں تک احادیث نبویہ کا تعلق ہے تو متعدد احادیث سے بھی اس کا ناجائز ہونا ثابت ہوتا ہے ان بکثرت احادیث سے بھی جن میں ربوہ کی سختی کے ساتھ مذمت اور ممانعت ہے طوالت سے بچتے ہوئے میں ان کو یہاں نقل اور ذکر نہیں کر رہا۔ بیع عینہ کی ممانعت سے متعلق جو احادیث ہیں ان سے بھی اس قائل کا عدم جواز مفہوم و مستنبط ہوتا ہے البتہ یہاں میں اس حدیث کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں جس میں ربوہ النسیۃ کی ایست بیان فرمائی گئی ہے حدیث کی بعض کتابوں میں وہ ان الفاظ سے ہے۔

عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کل قرض جر منفعة
ہو الربو۔ (بلوغ المرام)
حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر وہ قرض جو منفعت اندوزی
کا ذریعہ بنے وہ ربوہ ہے۔

مطلب یہ کہ جو قرض قرض دینے والے کے لیے قرض لینے والے کی طرف سے مالی منفعت کا سبب اور ذریعہ بنتا ہو وہ ربوہ ہے۔ اس حدیث کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ سند کے لحاظ سے اگرچہ ضعیف ہے لیکن اس کے مضمون کی تائید چونکہ آثار صحابہ کرام سے ہوتی ہے لہذا اس کو ہمیشہ قابل اعتماد سمجھا گیا اور فقہاء کرام اس سے استدلال کرتے رہے۔ آثار صحابہ کرام کے وہ آثار جن سے اس حدیث کو تقویت ملتی ہے سنن الکبریٰ للبیہقی اور اعلیٰ السنن وغیرہ میں مذکور ہیں آثار سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ کرام اس کو جائز نہیں سمجھتے تھے کہ قرض دینے والا قرض کی وجہ سے اپنے مقروض کسی طرح کا کوئی مادی فائدہ اٹھائے اگرچہ وہ کتنا ہی معمولی کیوں نہ ہو، میں بغرض اختصار ان کو یہاں نقل نہیں کر رہا جو منا چاہے مذکور کتب میں دیکھ سکتا ہے مولانا ظفر احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ربوہ کے موضوع پر اپنے رسالہ کشف الدجیٰ ان کو یکجا جمع کر دیا ہے جو امداد الفتاویٰ میں بھی شامل ہے، بہر حال اس حدیث کی رو سے بھی معاملہ زیر بحث ناجائز پاتا ہے کیونکہ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ جو شخص مثلاً ایک سو روپے کی چیز ادھار پر ڈیڑھ سو روپے میں فروخت دے وہ پچاس روپے جو زائد لیتا ہے اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ قرض سے فائدہ اٹھاتا اور حدیث اندوز ہوتا ہے اگر قرض نہ ہوتا تو نقد کی صورت میں اس کو اس چیز کے صرف سو روپے ملتے، پھر جب یہ معاملہ باطل کے مطابق ربوہ کی تعریف میں آتا ہے تو اس کا بھی وہی شرعی حکم ہو سکتا ہے جو ربوہ و سود کا ہے یعنی حرام ناجائز ہونا۔

یہاں تک جو کچھ لکھا گیا اس کی بنا پر پورے وثوق و یقین کے ساتھ یہ کہا جاسکتا ہے کہ زیر بحث معاملہ قرآن حدیث کی رو سے حرام اور ناجائز معاملہ ہے۔

اس کے بعد یہ واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ برصغیر پاک و ہند کے بعض علماء کرام نے اپنی کتابوں میں بطور فتویٰ لکھا ہے کہ معاملہ مذکور شرعاً جائز معاملہ ہے یعنی شرعاً اس میں کچھ حرج نہیں کہ اُدھار پر کوئی چیز نقد کے مقابلہ میں زائد قیمت پر بیچی جائے چنانچہ اس فتوے کے پیش نظر بلا سود بینکاری کے لیے سود کے تبادل جو معاملات تجویز کئے گئے ہیں ان میں سے ایک معاملہ یہ بھی ہے گویا بینک کو اس کی اجازت دے دی گئی ہے کہ اس سے کوئی شخص مشین وغیرہ خریدنے کے لیے قرضہ مانگے تو وہ اس کو سود پر نقد دینے کی بجائے اس سے کہے کہ میں تیری مطلوبہ چیز خرید کر تم کو ایک سال کے اُدھار پر دے دیتا ہوں اور اُدھار کی وجہ سے مراجمہ کے نام پر اس کی اتنی قیمت لگاتے جو بازار کی موجودہ قیمت سے کہیں زائد ہو مثلاً یہ کہے کہ یہ چیز جو مجھے سو روپے میں پڑی ہے پچاس روپے کے نفع کے ساتھ بیچتا ہوں تم ایک سو پچاس روپے ایک سال کے بعد ادا کر دینا، مطلب یہ کہ اس طرح کے معاملہ کو بینک کے لیے جائز قرار دیا گیا ہے جو حقیقت میں اپنے مقصد اور اثرات و نتائج کے لحاظ سے ربوہ کی طرح کا معاملہ ہے اگرچہ اس کو بیع مراجمہ اور بیع موبل کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے، ویسے جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا بیع مراجمہ بھی شرعاً جائز ہے جب اس میں ربح و نفع کی مقدار بازار کے عام عرف و رواج کے مطابق ہو، اسی طرح بیع موبل بھی شرعاً جائز ہے جب بیچی جانے والی چیز کی قیمت اُدھار میں بھی اتنی ہی ہو جتنی نقد کی صورت میں ملتی۔

اب میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جو حضرات علماء کرام معاملہ زیر بحث کو شرعاً جائز سمجھتے اور کہتے ہیں ان کے وہ دلائل کیا ہیں جن کی بنا پر وہ اُدھار کی چیز زیادہ قیمت پر بیچنے کو جائز و درست مانتے ہیں لیکن اس بارے میں نہ میں اُن حضرات میں سے کسی کا اسم گرامی ذکر کروں گا اور نہ اس کتاب کا نام لکھوں گا جس میں کسی نے ایسا لکھا ہے بلکہ صرف وہ دلائل ذکر کروں گا جو ان حضرات نے اپنے موقف کے ثبوت میں پیش فرماتے ہیں اور فیصلہ ایسے اہل علم حضرات پر چھوڑ دوں گا جو استدلال اور استنباط کے مختلف طریقوں کا غیر معمولی علم و فہم رکھتے۔ صحیح اور غلط استدلال کے درمیان تمیز کر سکتے اور فیصلہ کرنے میں انصاف اور حقیقت پسندی سے کام لیتے ہیں۔

تاریخین کرام یہ پڑھ کر حیران و متعجب ہوں گے کہ جو اہل علم حضرات معاملہ زیر بحث کے جواز کے قائل ہیں وہ اس کے ثبوت میں نہ قرآن مجید کی آیت پیش کرتے ہیں نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث، نہ آثارِ صحابہؓ، نہ تابعین میں سے کوئی اثر، نہ آئمہ مجتہدین کا کوئی اجتہادی قول اور نہ مسلمہ قواعد فقہیہ میں سے کوئی قاعدہ پیش فرماتے ہیں بلکہ اس کے ثبوت میں بطور دلیل فقہ حنفی کی دو کتابوں مبسوط اور ہدایہ کی ایک ایسی عبارت پیش کرتے ہیں جس سے کسی طرح یہ مطلب نہیں نکلتا کہ اُدھار پر کوئی چیز نقد کے مقابلہ میں زیادہ قیمت پر بیچنا خریدنا شریعت اسلامی کی رو سے جائز ہے۔

میں اس عبارت کو پیش کرنے سے پہلے جس سے ان حضرات نے استدلال فرمایا ہے اس سیاق و سباق کا بیان ضروری سمجھتا ہوں جس میں وہ عبارت ذکر ہوتی ہے تاکہ حقیقت واقعہ کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

جس سیاق و سباق میں وہ عبارت واقع ہے اس کی کچھ تفصیل یہ کہ فقہ حنفی کی مذکورہ بالا کتابوں میں جہاں بیع مراءبہ کی بحث ہے اس میں بیع المراءبہ کی فقہی تعریف، اس کی صحت کی شرائط، اور اس کی مختلف شکلوں اور ان کے متعلق شرعی احکام کا بیان ہے، بیع مراءبہ کی تعریف جن الفاظ میں کی گئی ہے اردو زبان میں ان کا مطلب اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے: بیع مراءبہ خرید و فروخت کا ایسا معاملہ ہے جس میں کوئی شخص یہ کہہ کر اپنی کوئی چیز دوسرے پر فروخت کرتا ہے کہ یہ چیز میں نے اتنے میں خریدی یا مجھے اتنے میں پڑی ہے اور اتنے نفع کے ساتھ فروخت کرتا ہوں اور دوسرا اس پر اعتماد و بھروسہ کر کے وہ چیز خرید لیتا ہے گویا اس میں کوئی چیز اس کی قیمت خرید پر متعین نفع کے ساتھ نیچے خریدی جاتی ہے، چونکہ اس بیع میں سچائی اور دیانتداری بنیاد حیثیت رکھتی ہے لہذا اس کو بیع الامانہ بھی کہا جاتا ہے اس بیع کی صحت اور تکمیل کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ اس میں نہ صرف یہ کہ حقیقتاً جھوٹ اور خیانت موجود نہ ہو بلکہ اس کا شبہ بھی نہ پایا جاتا ہو چنانچہ یہی وجہ ہے کہ معاملے پا جانے کے بعد اگر جھوٹ و خیانت کا شبہ ظاہر ہو جاتے تو خریدار کو اس کے رد و قبول کا اختیار ہوتا ہے چاہے تو اس کو برقرار رکھے اور چاہے تو ختم کر دے۔

بیع المراءبہ کی وہ مشکلیں جن میں جھوٹ و خیانت کے شبہ کی بنا پر خریدار کو معاملے پا جانے کے بعد رد و قبول کا اختیار ہوتا ہے ان میں سے ایک شکل جس کا امام محمد الشیبانی نے اپنی کتاب جامع الصغیر میں ذکر کیا ہے اس طرح ہے:

من اشترى غلاماً بalf درهم
فسية فباعه بربح مائة درهم
ولم يبتن، فعلم المشتري
فان شاء رده وان شاء
قبل -

ایک شخص نے ایک غلام ایک ہزار روپے میں ادھار پر
خریدا اور پھر ایک سو درہم کے نفع پر اس کو فروخت کیا
اور خریدار کو یہ نہیں بتلایا کہ میں نے ایک ہزار درہم میں
ادھار پر خریدا تھا، معاملے پا جانے کے بعد خریدار کو اس
کا علم ہوا تو ایسی صورت میں اس کو رد و قبول دونوں کا
اختیار ہوتا ہے۔

جامع الصغیر میں امام محمد نے عبارت مذکور کے بعد اس کی کوئی توجیہ نہیں فرمائی کہ اس صورت میں خریدار کو معاملے کے رد کا کیوں اختیار ہوتا ہے اس کی عقلی طور پر کیا وجہ ہے، لیکن بعد کے بعض حنفی فقہاء کرام نے مذکورہ جملے کو نقل کرنے کے بعد اس کی توجیہ بھی لکھی ہے، شمس الاتمہ السنخسی نے اپنی کتاب المبسوط میں اس کے متعلق جو تحریر فرمایا ہے وہ حسب ذیل ہے:

”قال رحمه الله واذا اشترى شيئاً نسية فليس له ان يبيعه مراجعة

حتى يتبين انه اشتراه نسيه لان بيع المراجعة بيع الامانة تنفي عنه
كل تهمة وجناية وينحرز فيه من كل كذب وفي ماريض الكلام شبهة
فلا يجوز استعمالها في بيع المراجعة، ثم الانسان في العادة يشتري
الشيء بالنسيه باكثر مما يشتري بالنقد؛ (المبسوط، ج ۱ ص ۱۳)

اس عبارت کا وہ حصہ جو اس مقصود بحث ہے وہ ہے:

ثم الانسان في العادة يشتري الشيء بالنسيه پھر انسان عاۃً ادھار کی چیز اس قیمت سے زائد پر خرید
باكثر مما يشتري بالنقد۔ لیتا ہے جو نقد کی صورت میں ہوتی ہے۔

مطلب یہ کہ ادھار پر خریدی ہوئی شے جب مراجہ کے طور پر فروخت کی جائے تو امانت داری اور راست گوئی کا
تقاضا یہ ہے کہ فروخت کرنے والا خریدار کو صاف بتا دے کہ یہ شے میں نے ادھار پر اتنے میں خریدی ہے اور اتنے
نفع کے ساتھ فروخت کرتا ہوں اور یہ کہ بتا دینا اس لیے ضروری ہے کہ حاجت مند انسان جب کوئی شے ادھار پر خریدتا ہے
تو عاۃً بمقابلہ نقد کے زیادہ قیمت پر خرید لیتا ہے لہذا ہو سکتا ہے کہ یہ چیز بھی اس نے اپنی حاجت مندی اور ناداری کی وجہ
سے زیادہ قیمت پر خرید لی ہو جو بصورت نقد بازار میں اس کی نہ ہو اور اب چونکہ وہ نقد کی صورت میں فروخت کر رہا ہے
ادھار کی صورت میں نہیں کر رہا لہذا اس پر لازم ہے کہ خریدار کو اس حقیقت سے آگاہ کر دے چنانچہ آگاہ ہو جانے کے بعد
بھی اگر وہ اس کو مطلوب قیمت پر خرید لیتا ہے تو پھر اس کو طے شدہ معاملہ فسخ کرنے کا اختیار نہیں رہتا بخلاف اس
صورت کے کہ وہ خریدار کو اس سے آگاہ نہیں کرتا اور معاملے پا جانے کے بعد اس کو اس کا پتہ چلتا ہے تو وہ اس معاملے
کو فسخ کر سکتا ہے۔

مبسوط کی مذکورہ عبارت میں جس انسان اور اس کی عادت کا ذکر ہے ظاہر ہے کہ وہ وہی ہو سکتا ہے جو کسی چیز کا
حاجت مند ہو اور ناداری کی وجہ سے نقد پر نہ خرید سکتا ہو اور اس کو وہ چیز نقد کی قیمت پر بطور قرضہ حسنہ کے بھی نہ مل سکتی ہو
ایسا انسان اپنی حاجت براری کے لیے مجبور ہوتا ہے کہ وہ ادھار دینے والے کی مرضی کے مطابق زیادہ قیمت پر خرید لے
اور لفظ عادت کا مطلب ہے کہ ایسا ہوتا ہے یہ مطلب نہیں کہ ایسا لازماً اور دائماً ہوتا ہے کیونکہ یہ بھی ہوتا ہے کہ قرض
حسن کی اسلامی تعلیم پرنسپل کرنے والے اور ربوہ کی ہر شکل سے بچنے اور اجتناب کرنے والے متقی مسلمان، جب کسی حاجت مند
انسان کو اس کی ضرورت کی چیز ادھار پر دیتے ہیں تو اسی قیمت پر دیتے ہیں جو بصورت نقد بازار میں اس کی رائج ہوتی ہے
ادھار کی وجہ سے زیادہ قیمت پر نہیں دیتے۔ بہر حال اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو مادی
فائدہ کے بغیر کسی کو قرض نہیں دیتے اور اپنے معاشی معاملات میں اسلامی اصول و احکام اور حلال و حرام کا خیال نہیں رکھتے
لہذا ایسے لوگوں کا رویہ اور طرز عمل ثمریت اسلامی کی رو سے جائز و درست نہیں ہوتا، شمس الائمہ الشریعی کی مذکورہ عبارت

میں کوئی لفظ بھی ایسا نہیں جو اس پر دلالت کرتا ہو کہ ان کے نزدیک لوگوں کی مذکورہ عادت شرعاً جائز و درست عادت ہے۔ یہ سوال کہ پھر انہوں نے اس کو ناجائز کیوں نہیں لکھا تو اس کا جواب یہ کہ یہاں ان کا مقصد اس عادت کے جائز و درست ہونے سے بحث کرنا نہیں بلکہ ان کا اصل مقصد بیع المربکہ کی ایک خاص شکل سے متعلق امام محمدؒ کے مذکورہ قول کی توجیہ کرنا ہے جو عادت مذکورہ کے ناجائز ہونے کی شکل میں بھی ہو جاتی ہے۔

مبسوط کی مذکورہ عبارت کے بعد اب میں صاحب الہدایہ علامہ مرغنیانی کی وہ عبارت نقل کرتا ہوں جس سے زیر بحث معاملے کے جواز کے لیے استدلال فرمایا گیا ہے ذیل میں ملاحظہ فرمائیے۔

قال من اشترى غلاماً بالف درهم فباعه بربعمائة ولم يبين، فعلم المشتري فان شاء رده وان شاء قبل لان لاجل شبهة بالمبيع الا يرى انه يزاد في الثمن لاجل الاحمل، والشبهة في هذا ملحقه بالحقيقة فصار كأنه اشترى شيئين وباع احدهما مرابحة بثمانهما.

(ہدایہ آخرین - صفحہ ۵۵۰)

امام محمدؒ نے کہا جس نے ایک ہزار درہم کے بدلے ایک غلام ادھار پر خریدا اور پھر مرابکہ کے طور پر ایک سو درہم کے نفع پر اس کو بیچ ڈالا اور خریدار کو نہیں بتلایا کہ میں نے ادھار پر خریدا تھا بعد میں خریدار کو اس کا علم ہوا پس اب اگر وہ چاہے تو اس کو رد اور چاہے تو اس کو قبول کر سکتا ہے کیونکہ اجل یعنی قرض کی مہلت اور مدت، بیچی جانے والی چیز سے کچھ مشابہت رکھتی ہے کیا یہ نہیں دیکھا جاتا کہ اجل کی وجہ سے قیمت میں اضافہ کیا جاتا ہے، اور چونکہ مرابکہ کے باب میں شبہ بیع کو حقیقت بیع سے ملتی کر دیا گیا ہے لہذا مطلب یہ ہوا کہ گویا بیچنے والے نے جس قیمت میں دو چیزیں خریدی تھیں یعنی غلام اور اجل، اس قیمت پر ان میں سے ایک چیز کو یعنی غلام کو بیچ دیا۔

اس عبارت میں مقصود بحث اس کا وہ حصہ ہے جس میں صاحب ہدایہ نے امام محمدؒ کے قول مذکور کی توجیہ پیش فرمائی ہے یعنی مرابکہ کی مذکورہ شکل میں معاملے پاجانے کے بعد خریدار کو معاملہ فسخ کرنے کا جو اختیار حاصل ہوتا ہے عقلی طور پر اس کی وجہ کیا ہے وہ وجہ صاحب ہدایہ کے نزدیک مرابکہ کی اس شکل میں شبہ خیانت کا پایا جانا ہے جس سے بیع مرابکہ کو پاک ہونا چاہیے کیونکہ بیع المربکہ، بیع الامانہ ہے، اور شبہ خیانت کی جو وضاحت انہوں نے فرمائی ہے وہ یہ کہ جو شخص ادھار پر کوئی چیز خریدتا ہے اس کے متعلق کو یقین نہ سہی لیکن یہ شبہ ضرور ہو سکتا ہے کہ اس نے جس قیمت میں وہ چیز خریدی ہے وہ قیمت نہ اس چیز کی نہ ہو بلکہ ادھار کی جواصل اور مہلت ہے اس کی بھی ہو کیونکہ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو ادھار کی مہلت اور مدت کی وجہ سے فروخت کی جانے والی چیز کی قیمت بڑھا دیتے لہذا ادھار پر خریدی ہوئی ہر چیز کے متعلق یہ شبہ ضرور

ہو سکتا ہے کہ اس کی جو قیمت ہے وہ تنہا اس کی نہ ہو بلکہ اس کے ساتھ اجل اور مہلت ادھار کی بھی ہو بنا بریں جو شخص نقد کی صورت میں بھی شے کی وہی قیمت وصول کرتا ہے جو ادھار کی صورت میں اس شے کی تھی تو وہ گریا دو چیزوں کی قیمت ایک چیز سے وصول کرتا ہے کیونکہ نقد کی صورت میں اجل نہیں ہوتی صرف چیز ہوتی ہے لہذا وہ ایک طرح کی خیانت کا مرتکب ہوتا ہے جو مزابحت کے معاملہ میں عیب ہے اور چونکہ بیع میں عیب ظاہر ہونے کی صورت میں خریدار کو رد و قبول کا اختیار ہوتا ہے لہذا بیع المزابحت کی اس شکل میں بھی خریدار کو رد و قبول کا اختیار حاصل ہوتا ہے، اس توجہ کے ضمن میں صاحب ہدایہ نے اپنی اس بات کی تائید میں کہ اجل، بیع سے کچھ مشابہ ہے فرمایا: **الایری انه یزاد فی الثمن لاجل الاجل** کیا یہ نہیں دیکھا جاتا کہ اجل یعنی ادھار کی مدت کی وجہ سے شے کی قیمت بڑھا دی جاتی ہے، اس سے بعض اہل علم حضرات نے یہ مطلب نکالا ہے کہ ادھار کی چیز کی قیمت بمقابلہ نقد کے بڑھا دینا شریعت اسلام کی رو سے جائز ہے حالانکہ عبارت مذکور سے یہ مطلب بالکل نہیں نکلتا اس عبارت میں جو بات کہی گئی بلحاظ واقعہ بالکل درست ہے کہ کچھ لوگ ایسا کرتے ہیں یعنی ادھار کی چیز کی قیمت زیادہ کر دیتے ہیں لیکن ان کا ایسا کرنا، قرآن و حدیث کی رو سے جائز ہوتا ہے یا ناجائز؟ عبارت مذکور کے کسی لفظ سے اس کا اظہار نہیں ہوتا اس لیے کہ صاحب ہدایہ کا مقصد یہاں صرف یہ بیان کرنا ہے کہ اجل کی بیع سے کچھ مشابہت یا اجل کے متعلق بیع ہونے کا شبہ ہے کیونکہ کچھ لوگ اجل کی وجہ سے قیمت میں اضافہ کرتے ہیں یہاں ان کا مقصد اس کے جواز و عدم جواز سے بحث کرنا اور یہ بتلانا نہیں کہ ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ یہی وجہ ہے کہ ہدایہ کے شارحین نے بھی اس بارے میں کچھ نہیں لکھا فتح القدیر، بنایہ، عنایہ اور کنایہ وغیرہ کو دیکھ لیجئے کسی نے نہیں لکھا کہ اجل کی وجہ سے شے کے ثمن میں اضافہ کرنا جائز ہے، اسی طرح کسی کا اس کو ناجائز نہ لکھنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ یہاں پر مقصد اس کے جواز و عدم جواز سے بحث کرنا ہے ہی نہیں نیز جو معاملہ بدیہی طور پر ناجائز ہو اس کو ناجائز لکھنے کی ضرورت بھی کیا ہے بہر حال کسی معاملے کے جائز یا ناجائز ہونے کا اصل معیار قرآن و حدیث اور ان کے اصول و احکام ہیں چنانچہ جو معاملہ ان کے مطابق ہو وہ جائز اور جو مطابق نہ ہو بلکہ خلاف ہو وہ ناجائز قرار پاتا ہے گو کہ اس کو کرنا یا نہ کرنا، اس کے جواز و عدم جواز کا کوئی معیار نہیں ورنہ شریعت ایک کھلونا بن کر رہ جاتے گی۔

علاوہ ازیں اگر مذکورہ عبارت یعنی **یُؤَدُّ اَدْرُی الثَّمَنِ لِاجْلِ الْاَجَلِ** سے یہ مفہوم ہے کہ اجل یعنی مہلت قرض کسی ثمن و قیمت کا عوض و بدل بن سکتی ہے تو تین سطروں کے بعد خود صاحب ہدایہ نے واضح الفاظ سے اس کی نفی کر دی ہے، فرمایا: **وان استہلکہ ثم علم لزمہ بالف و ماعۃ لان الاجل لا یقابله شیء من الثمن** اور اگر مذکورہ مثال میں خریدار نے خریدنے کے بعد غلام کو ہلاک یا فروخت وغیرہ کر دیا یعنی اس کے ہاتھ میں نہ رہا اور پھر اس کو یہ علم ہوا کہ وہ غلام ایک ہزار درہم میں ادھار پر خرید گیا تھا اور ایک سو درہم منافع کے ساتھ مجھ پر فروخت کیا گیا تو اب وہ فروخت کرنے والے سے کچھ بھی واپس نہیں لے سکتا اور اس کو یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے جو گیارہ سو درہم آپ کو دیئے ان (باقی صفحہ ۴۳ پر)